

جنت کی خوش خبری

(مسلم، رقم ۳۱)

حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا قُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مَعَنَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فِي نَفَرٍ. فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِينَا أَنْ يُقْتَطَعَ دُونَنَا وَفَزَعَنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزَعَ. فَخَرَجْتُ أَبْتَغِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَّارِ. فَدُرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ أَبًا فَلَمْ أَجِدْ فَإِذَا رِبْعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بئرٍ خَارِجَةٍ. وَالرَّبْعُ الْجَدُولُ. فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّلَبُ. فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: أَبُو هُرَيْرَةَ. فَقُلْتُ: نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: مَا شَأْنُكَ؟ قُلْتُ: كُنْتُ بَيْنَ أَظْهُرِنَا. فَقُمْتُ، فَأَبْطَأَتْ عَلَيْنَا. فَخَشِينَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُونَنَا، فَفَزَعَنَا. فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزَعَ. فَاتَيْتُ هَذَا الْحَائِطَ.

فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ، وَهُوَ لِأَيِّ النَّاسِ وَرَائِي. فَقَالَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ
وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ. قَالَ: أَذْهَبُ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ. فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا
الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيَقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ. فَكَانَ
أَوَّلَ مَنْ لَقِيتُ عُمَرُ. فَقَالَ: مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ؟ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ. فَقُلْتُ: هَاتَانِ
نَعْلَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي بِهِمَا مَنْ لَقِيتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيَقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بِشَرَّتُهُ بِالْجَنَّةِ. فَضْرَبَ عُمَرُ بِيَدِهِ بَيْنَ ثَدْيَيْ،
فَخَرَرْتُ لِاسْتِي. فَقَالَ: ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ. فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْهَشْتُ بُكَاءً وَرَكِبَنِي عُمَرُ فَإِذَا هُوَ عَلَى أَثَرِي. فَقَالَ
لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ. قُلْتُ: لَقِيتُ
عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثَنِي بِهِ. فَضْرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيْ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاسْتِي.
قَالَ: ارْجِعْ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ
عَلَى مَا فَعَلْتَ. قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، بَابِي أَنْتَ وَأُمِّي. أَبْعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ
بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيَقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بِشَرِّهِ بِالْجَنَّةِ.
قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَتَكَلَّمَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلَّاهُمْ
يَعْمَلُونَ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَخَلَّاهُمْ.

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ ہوئے
تھے۔ لوگوں میں ہمارے ساتھ ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے
بیچ میں سے اٹھے (اور کہیں چلے گئے) آپ نے ہمارے پاس (واپس) آنے میں کافی تاخیر کر دی۔
ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ کو ہم سے ورے ہی (دشمن سے کوئی) تکلیف نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ ہم ڈر

گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان گھبرانے والوں میں میں سب سے پہلا آدمی تھا۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتا ہوا نکلا، یہاں تک کہ میں انصار میں سے بنی نجار کے باغ کے پاس پہنچ گیا۔ میں اس کے گرد گھوما کہ کہیں اس کا دروازہ پاؤں۔ لیکن مجھے (دروازہ تو) نہیں ملا، (مگر کیا دیکھتا ہوں) کہ ایک نالہ ہے جو باہر والے کنویں سے دیوار کے خلا میں داخل ہو رہا ہے...! چنانچہ میں اسی طرح سمٹا جس طرح لومڑی سمٹی ہے اور اس (راستے سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ فرمایا: ابو ہریرہ۔ میں نے کہا: جی یا رسول اللہ۔ فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: آپ ہمارے بیچ تشریف فرما تھے۔ پھر آپ اٹھے (تشریف لے گئے) اور آپ نے ہمارے پاس (واپس) آنے میں بہت تاخیر کر دی۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ آپ کو ہماری غیر موجودگی میں کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ ان گھبرانے والوں میں میں سب سے پہلے گھبرایا تھا۔ چنانچہ میں (نکلا اور) اس باغ تک آ گیا۔ (نالے کے راستے اندر داخل ہونے کے لیے) میں اسی طرح سمٹا جیسے ایک لومڑی سمٹی ہے۔ یہ (دوسرے لوگ) میرے پیچھے ہیں۔ فرمایا: ابو ہریرہ، اور آپ نے مجھے اپنے جوتے عنایت کیے، میرے یہ جوتے لے جاؤ۔ اس دیوار کے پیچھے جو بھی تمھیں ملے اور وہ یہ اقرار کرتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور اس بات پر اس کا دل یقین رکھتا ہو تو اسے جنت کی بشارت دینا۔ چنانچہ پہلا آدمی جس سے میں ملا (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) تھے۔ انھوں نے پوچھا: یہ جوتے کیا ہیں؟ میں نے کہا: یہ جوتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ آپ نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے کہ میں جس سے ملوں اور وہ اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور اس کا دل اس پر یقین رکھتا ہو تو اسے جنت کی بشارت دوں۔ یہ سن کر (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور میں پیٹھ کے بل گر گیا۔ کہا: ابو ہریرہ، لوٹو۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس چل پڑا۔ میں رونے کو تھا۔ (حضرت) عمر

۱۔ یہاں راوی نے نالے کے لیے آئے ہوئے لفظ 'ربیع' کی توضیح کی ہے کہ اس سے مراد آب پاشی کے لیے بنایا ہوا کھالا ہے۔

(رضی اللہ عنہ) نے میرے اوپر چڑھائی کی ہوئی تھی اور وہ میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ (ہمیں دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ابو ہریرہ تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا: میری ملاقات عمر سے ہوئی اور میں نے انہیں وہ بات بتائی جو آپ نے مجھے بتانے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے سن کر میرے سینے پر ایسا مارا کہ میں پیٹھ کے بل گر گیا۔ پھر کہا: واپس چلو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر، تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ نے ابو ہریرہ کو جوتے دے کر بھیجا ہے کہ یہ جس سے ملیں اور وہ اقرار کرتا ہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا دل اس پر پوری طرح مطمئن ہو تو اسے جنت کی بشارت دیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے کہا: آپ یہ نہ کریں مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اسی پر بھروسہ کرنے لگیں گے۔ لوگوں کو عمل کرنے دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں عمل کرنے دو۔“

لغوی مباحث

یقتطع دوننا: یقتطع 'مجهول ہے، یعنی دشمن آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ 'دوننا' سے یہاں صحابہ سے دوری مراد ہے۔

حائط: لفظی طور پر اس سے چار دیواری مراد ہے۔ لیکن یہ باغ کے لیے آتا ہے، کیونکہ باغ کے گرد چار دیواری ہوتی تھی۔

فاجہشت بکاء: روہانسا ہونا، آہ وزاری کرنا۔ یہاں وہ شدید بے کسی کی کیفیت مراد ہے جو حضرت عمر کے سخت رد عمل کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔

معنی

یہ روایت تین حوالوں سے قابل توجہ ہے۔ نمایاں ترین چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو ہریرہ اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مکالمہ ہے۔ اس میں جو چیز بیان ہوئی ہے، وہ اس سے پہلے کی روایتوں میں زیر بحث

آچکی ہے۔ یعنی ان روایتوں میں قول ایمان سے مراد محض زبان سے ایمانیات کا تلفظ نہیں ہے۔ یہ درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے لیے خوش خبری ہے جو اس وقت اس کلمے کے بولنے اور ماننے والے بنے، جب یہ کلمہ اجنبی تھا اور اس کا بولنا اپنے جان و مال اور تعلقات کو خطرے میں ڈالنا تھا۔ مزید براں یہ وہ لوگ نہیں تھے جو اسے محض ایک علمی حقیقت سمجھتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ اس کلمہ کی حقیقت اسلامی زندگی کے سرعنوان کی ہے۔ اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ یہ بات اس طرح لوگوں کو نہ بتائی جائے، اسی حقیقت کا اظہار ہے کہ ان کے نزدیک کلمہ ایمان محض تلفظ کی چیز نہیں ہے، بلکہ عمل صالح اس کا لازمی تقاضا ہے اور اگر لوگوں نے کہیں اسے اس کے ظاہری مفہوم میں لے لیا تو وہ اس تقاضے کو فراموش نہ کر دیں۔ علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں ”دل کے یقین“ کا اضافہ کیا ہے۔ جب کوئی بات دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے تو زندگی کے انداز ہی بدل کے رکھ دیتی ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ مسلمان ہیں، لیکن ان کے اخلاق و کردار مسلمانوں والے نہیں ہیں۔ اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایمانیات صرف زبان کی نوک پر ہیں۔ دل کی دنیا اس سے کماحقہ آشنا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اس قول کو اپنے قلب میں اتار لیتا ہے تو اس کی شخصیت بدلنا شروع ہو جاتی ہے اور وہ اپنے خیالات و اعمال میں موجود برائیوں سے ایک ایک کر کے جان چھڑانے کی راہ پر گام زن ہو جاتا ہے۔ یہ ایمان قیمتی ہے۔ اسی ایمان کے حاملین اس رحمت خداوندی کے مستحق ہیں۔ جو لوگ ایمان کی اس سطح سے آشنا ہوتے ہیں، انھیں رحمت اور بخشش کی خبر عمل کے بارے میں مزید مستعد کرتی ہے۔ لیکن بعض کے ہاں اس کے برعکس نتیجہ بھی نکل سکتا ہے۔ اسی بات کی نشان دہی حضرت عمر نے کی تھی اور اسے مانتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ کو یہ بات بیان کرنے سے روک دیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ملتی جلتی بات مختلف مواقع پر ارشاد فرمائی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ ہمارے خیال میں اس سوال کی وجہ داعی کے کلام اور علمی اور تصنیفی زبان کے فرق کو نظر انداز کرنا ہے۔ داعی اپنی بات کو دلوں میں اتارنے کے لیے انداز و تبشیر کے مختلف اسالیب اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے کلام میں دین کے مختلف پہلوؤں کو ایک خاص زور سے بیان کرنے کی متعدد مثالیں نظر آئیں گی۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا وہ جنت میں چلا گیا، وہاں یہ کہتے ہوئے بھی ملتے ہیں، مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے کہ مخاطب کی آرا ہی تبدیل نہیں ہوتیں، اس کا دل بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔

دوسرا حوالہ وہ واقعہ ہے جو اس مکالمے کے دروبست کی حیثیت سے اس روایت میں بیان ہوا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینے میں اس وقت پیش آیا جب دشمن سے کسی کارروائی کی توقع کی جا رہی تھی۔ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت ابو ہریرہ غزوہ خیبر کے موقع پر ایمان لائے تھے۔ یہ غزوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کم و بیش چار سال پہلے پیش آیا تھا۔ اس زمانے میں اسلامی حکومت بڑی حد تک مستحکم ہو چکی تھی۔ لہذا یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ خطرہ کس گروہ کی طرف سے تھا۔ اہل مکہ سے کسی خلاف مروت عمل کی توقع نہیں کی جاسکتی اور یہود کی طاقت کا استیصال ہو چکا ہے۔ مزید براں یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ ایسا ہی خطرے کا زمانہ ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ہی کیوں نکلے تھے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حالات نارمل تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے میں تاخیر ہوئی تو صحابہ کی شدت محبت نے انھیں اندیشوں میں مبتلا کر دیا۔

تیسرا حوالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک باغ میں جانا ہے۔ اس پر دو پہلوؤں سے بات ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ آپ اس باغ میں کیوں گئے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابو ہریرہ اس باغ تک کیسے پہنچے۔ ویسے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس باغ میں جانے کے کئی سبب قیاس کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن زیادہ قرین قیاس یہی محسوس ہوتا ہے کہ حضور کا یہ جانا ذاتی نوعیت کا تھا۔ یعنی اس کا سبب حضور کی کوئی داعیانہ سرگرمی نہیں تھی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس باغ تک کیسے پہنچے تو اس کا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاق ہے۔ لیکن باغ میں داخل ہونے کے طریقے سے یہ بات زیادہ قرین قیاس محسوس ہوتی ہے کہ حضور تفریح طبع کے لیے اس باغ میں جاتے رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ کو یہ بات معلوم تھی اس لیے وہ اسی باغ تک گئے اور اس میں داخل ہونے کی جو صورت پہلے سامنے آئی اسی کو اختیار کر لیا۔ مزید براں حضرت عمر بھی حضور کے پیچھے اسی باغ کی طرف آ رہے تھے یہ بھی اسی بات کا ایک قرینہ ہے کہ حضور کا ادھر آنا ایک معمول کی بات تھی۔

اس روایت کی چند ضمنی باتیں بھی قابل توجہ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دے کر بھیجتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جوتے عنایت کیے تھے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ کو دی گئی خبر کے حضور ہی کی طرف سے ہونے کا سرٹیفکیٹ تھا۔ اس سے یہ پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خیال تھا کہ ابو ہریرہ کی طرف سے یہ بات ماننے میں لوگ متامل ہوں گے۔ اسی طرح اس واقعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے اپنے بارے میں اضطراب سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے یہ چاہا کہ انھیں ان کے ایمان کے ثمر سے آگاہ کریں۔ باقی رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بات بیان نہ کرنے کا مشورہ دینا تو اس کی وجہ محض یہ تھی کہ لوگ جملے

کو اس کے ظاہری معنی میں لیں گے۔ یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ایک صحابی نے (نعوذ باللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے بارے میں رہنمائی دی ہے۔ یہ مسئلہ دین کے بیان کا نہیں تھا۔ دین کے حوالے سے صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع تھے اور ان کو بے کم و کاست حضور کی پیروی کرنا تھی۔ یہ معاملہ تدبیر کا تھا اور تدبیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے صائب مشورے قبول فرماتے تھے۔ حضرت عمر کا مشورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمومی رویے کے عین مطابق تھا۔ ہم اس سے پہلے حضرت معاذ والی روایت میں پڑھ چکے ہیں کہ خود حضور نے حضرت معاذ کو یہی بات کہی تھی۔

اس واقعے میں حضرت عمر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سختی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستگی کی ایک لمبی تاریخ رکھتے تھے۔ انھیں حضور کے صحابہ میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ جس کا اظہار اس روایت میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ ہم حضور کے گرد بیٹھے تھے اور ہمارے اندر ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بھی موجود تھے۔ حضرت عمر کی سختی ایک بڑے کی اپنے خورد پر سختی ہے۔ روایت کے سیاق و سباق سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو گرانا نہیں چاہتے تھے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ حضرت عمر کے حضرت ابو ہریرہ کو واپس موڑنے کے لیے لگائے گئے ہاتھ نے انھیں گرا دیا۔

اس روایت میں پیٹھ کے لیے 'است' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ 'است' کا لفظ ایک صریح لفظ ہے۔ عام طور پر ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو صریح نہ ہوں اور کہنے والا کنایے کے الفاظ سے اپنی بات ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے ایک صریح لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کھلے طریقے سے بات کرنا ناموزوں نہیں سمجھا جاتا تھا۔

متون

یہ روایت صحیح مسلم کے علاوہ صحیح ابن حبان میں نقل ہوئی ہے۔ دونوں کا متن کم و بیش ایک ہے۔ چند لفظی فرق ہیں۔ مثلاً: ابن حبان میں رسول اللہ کے بجائے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ آئے ہیں۔ 'بین اظہرنا' کی جگہ 'بین ظہرنا' آیا ہے۔ 'فخرجت أبتغی' کے لیے 'فخرجت أبتع' آیا ہے۔ 'فإذا ربيع' سے پہلے 'فلم أجد' کی تصریح نہیں ہے۔ 'من بئر خارجة' کے بجائے 'من خارجة' آیا ہے۔ پہلے 'فاحتفزت' کے ساتھ 'كما' بھی ہے۔

یحتفز کی وضاحت نہیں ہے۔ 'کنت بین أظهرنا' کی جگہ 'قمت بین أظهرنا' نقل ہوا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے بھی اپنی کتاب میں یہ روایت لی ہے۔ انھوں نے حوالہ تو مسلم کا دیا ہے، لیکن ان کے متن اور مسلم کے متداول متن میں کچھ فرق ہے۔ متداول متن میں جہاں 'فد رت' کا فعل آیا ہے وہاں صاحب مشکوٰۃ نے 'فسا ورت' کا فعل نقل کیا ہے۔ اسی طرح اس متن کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'لقیک' کی جگہ 'لقیت' کے الفاظ بولے تھے۔

کتابیات

مسلم، رقم ۳۱۔ ابن حبان، رقم ۴۵۴۳۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net